فرعون و کلیمؑ کی داستانِ کشمکش

قرآن کے بیان کردہ چند پہلوؤں کا سرسری مطالعہ

از ڈاکٹر سعید رمضان صاحب

فرعونِ موسیٰ | "فرعون" مصری تاریخ کا مشہور و معروف کردار ہے۔ اہلِ مصر اس نام کو اپنے حکام اور فرمانرواؤں کے لیے بطورِ لقب استعمال کرتے تھے، جس طرح رومی سلاطین کو "قیصرِ روم" اور ایرانی تاجداروں کو "کسرائے ایران" کہا جاتا تھا، اسی طرح مصر کے اربابِ اقتدار "فرعون" کہلاتے تھے۔

مصر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں جس فرعون کی حکمرانی تھی قرآن کریم نے اس کا اصل نام ظاہر نہیں کیا ہے۔ بلکہ صرف لقب پر اکتفا کیا ہے۔ تاریخی اور اثری تحقیقات سے معلوم ہوا کہ اس کا نام مِنفتاح تھا۔ قرآن نے صرف اُس کی وہ صفات اور کارگزاریاں تفصیل سے بیان کر دی ہیں جن کی وجہ سے وہ لعنتِ خداوندی کا سزاوار قرار پایا ہے۔ چنانچہ قرآن کے اس اسلوبِ بیان کی وجہ سے "فرعون" کا لفظ ایک لیبل بن گیا ہے جس کے پیچھے اس نام کی کوئی مخصوص تاریخی شخصیت مراد نہیں ہوتی بلکہ اصل مقصد فرعونی صفات و اعمال ہیں۔ انہی صفات و اعمال کے مجموعہ کو اہلِ تفسیر زمان و مکان کے تعیّن کے بغیر فرعون سے تعبیر کرتے رہے ہیں۔

فرعون کا اصل نام بیان نہ کرنے کی وجہ | یہاں یہ سوال وارد ہو سکتا ہے کہ قرآن نے موسیٰ کا تو نام بیان کر دیا مگر فرعون کا نام کیوں نہیں واضح کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ موسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے خود منتخب فرمایا اور انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ اللہ کے

رسول مثالی نمونہ ہوتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ خاص طور پر انسانوں کے لیے تیار کرتا ہے۔ چنانچہ وہ جن صفات و اعمال کے حامل ہوتے ہیں وہ اُن کی منفرد اور یکتا خصوصیات ہوتی ہیں اور عام انسان اِن خصوصیات میں اُن کے تابع ہوتے ہیں۔ نیز گروہِ انبیاء طویل بشری تاریخ میں چند نفوس پر مشتمل رہا ہے۔ اس لیے پیغمبروں کے نام مع منصب واضح کر دیئے جاتے ہیں لیکن حضرت موسیٰ کے بالمقابل جو فرعون تھا، وہ ایک ایسا فرمانروا تھا جسے اہلِ مصر نے اپنی رضامندی سے قبول کر رکھا تھا یا اُس نے خود اپنے آپ کو اہلِ مصر پر مسلط کر رکھا تھا اور یہ دونوں صورتیں ایسی ہیں کہ ان کی مثالیں تاریخ میں کثرت سے ملتی ہیں اور بار بار تاریخ کے اسٹیج پر ان کا اعادہ ہوتا رہا ہے۔

اس طرح ہمیں ایک قدیم اعتراض کا جواب بھی مل جاتا ہے یعنی قرآن میں موسیٰ اور فرعون کا قصہ بکثرت سورتوں میں بار بار کیوں دُہرایا گیا ہے۔ دراصل تکرارِ داستان سے یہ بتانا مقصود ہے کہ فرعونی کردار بار بار جلوہ گاہِ تاریخ پر اُبھرے گا۔ اس لیے لازم ہے کہ ہر فرعونی کردار کے مقابلے میں موسوی شخصیت علمبردارِ حق کے لباس میں نمودار ہو جائے اور "ہر فرعونے را موسیٰ" کا اصول جاری و ساری رہے۔

غیر مساوی طاقتوں کا تصادم | فرعون و کلیم کی داستانِ کشمکش میں قرآن یہ پہلو خاص طور پر اُجاگر کرتا ہے کہ مادی و ظاہری وسائل کے لحاظ سے یہ ٹکر بالکل بے جوڑ تھی۔ قرآن کا بیان ہے کہ: "موسیٰ پر اُس کی قوم میں سے چند نوجوانوں کے سوا کوئی ایمان نہ لایا، فرعون کے ڈر سے اور خود اپنی قوم کے سربرآمدہ لوگوں کے ڈر سے (جنھیں خوف تھا کہ) فرعون ان کو عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ اور فرعون ملک میں غلبہ رکھتا تھا اور وہ اُن لوگوں میں سے تھا جو کسی حد پر نہیں رُکتے ہیں" (یونس: ۸۳) ——— یعنی ایک طرف موسیٰ کے لشکر میں گنتی کے چند نوجوان اور (آیت مذکورہ کے ایک دوسرے مفہوم کے مطابق) وہ نوجوان بھی فرعون اور اس کے حاشیہ برداروں کی دار و گیر سے ترساں و لرزاں۔ دوسری جانب دبدبۂ فرعون کا یہ عالم کہ ایک ملک

اُس کے آگے سرنگوں، کسی کو یارائے دم زدن نہیں، سرکشی حد سے متجاوز۔

دعوتِ حق کے مقابلے میں فرعون کے ہتھکنڈے | آمرانہ استکبار و تشدد کی اس گھٹا ٹوپ فضا میں معرکۂ فرعون و کلیم کا آغاز ہوا۔ اس معرکہ میں فرعون نے حضرت موسٰیؑ کو زک پہنچانے کے لیے ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کیے۔ قرآن کریم جگہ جگہ ان ہتھکنڈوں کی نشاندہی کرتا ہے مثلاً

آمرانہ تشدد و تفلسف کا استعمال | فرعون نے اپنے پُر ہیبت اقتدار اور طنطنۂ آمریت کے بل بوتے پر موسیٰ کی مسکین اور نہتی قوم کے سامنے تہدید آمیز بیانات دیئے اور ان میں اپنے آپ کو ملک کا واحد مالک اور بہی خواہ قرار دیا۔ اُس نے کہا: "اے اہلِ دربار، میں تو اپنے سوا تمہارے کسی خدا کو نہیں جانتا۔ ہامان! ذرا اینٹیں پکوا کر میرے لیے ایک اونچی عمارت تو بنوا، شاید کہ اس پر چڑھ کر میں موسیٰ کے خدا کو دیکھ سکوں، میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں" (القصص ۳۸-۳۹)۔ اُس نے اپنے آپ کو شہریوں کے دل و دماغ کا واحد اجارہ دار ٹھہرایا اور اپنے "عقلِ کُل" ہونے کا دعویٰ کیا۔ چنانچہ اُس نے لوگوں کو متنبہ کیا کہ اس کی اجازت کے بغیر نہ وہ دوسرے کسی نظریے کے قائل ہو سکتے ہیں اور نہ اُس کی رائے اور تجویز کے خلاف کسی دوسری رائے اور تجویز کو قبول کر سکتے ہیں۔ ایسی حرکت کرنے والوں کے خلاف اُس نے سخت ترین ریگولیشن جاری کیے۔ چنانچہ جب جادوگر حضرت موسیٰ کے مقابلے میں شکست کھا گئے اور آپؑ پر فوراً ایمان لے آئے تو فرعون نے غضبناک ہو کر کہا: "تم موسیٰ کی بات مان گئے، قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دیتا! ضرور یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ اچھا، ابھی تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے، میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کٹوا دوں گا اور تم سب کو سولی چڑھا دوں گا" (الشعراء: ۴۹)، بلکہ اُس کے دماغ میں استکبار کی ہوا یہاں تک بھر گئی کہ وہ یہ سمجھنے لگ گیا کہ مصر اور اہلِ مصر میری شخصی جاگیر ہیں، میں ان میں جس طرح چاہوں تصرف کر سکتا ہوں اور جس کے ساتھ جو چاہوں سلوک کر سکتا ہوں وہ کہنے لگا "اے قوم، کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں ہے اور یہ نہریں میرے تحت جاری نہیں ہیں؟" (الزخرف: ۵۱)۔

قومی تعصّبات کا سہارا اُس نے قبطیوں کے قومی تعصّب اور وطن پرستی کے جذبات کو اپیل کیا، تاکہ انہیں موسیٰؑ اور ان کی قوم (بنی اسرائیل) کے خلاف بھڑکا دے۔ اُس نے جادوگروں کو دھمکی دیتے ہوئے فوراً سیاسی انقلاب کے خطرے کی گھنٹی بجائی اور کہا: "یقیناً یہ کوئی خفیہ سازش ہے جو تم لوگوں نے اس دارالسلطنت میں کی ہے تاکہ اس کے مالکوں کو اقتدار سے بے دخل کر دو" (الاعراف: ۱۲۳)۔ فرعون کے اس "انکشافِ سازش" کے بیان پر اس کے حاشیہ برداروں نے بھی تائیدی بیانات دیئے: "قومِ فرعون کے سرداروں نے کہا کہ "یقیناً یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے، تمہیں تمہاری زمین سے بے دخل کرنا چاہتا ہے۔" (الاعراف: ۱۰۹-۱۱۰)

اہلِ حق پر سنسنی خیز الزامات کی بوچھاڑ اُس نے افترا پردازی اور تہمت تراشی کا اسلوب اختیار کیا اور حضرت موسیٰ پر سنسنی خیز الزامات چسپاں کرنے شروع کر دیئے۔ چنانچہ ایک الزام یہ لگایا کہ موسیٰ ملک کے اندر بدامنی اور انتشار پھیلا رہا ہے۔ وہ مصریوں کو چوکنا کرتے ہوئے کہنے لگا: "میں ڈرتا ہوں کہ یہ شخص تم لوگوں کا دین بدل ڈالے گا یا ملک میں فساد برپا کر دے گا" (المومن: ۲۶) وزراء اور اہلِ دربار نے بھی سرکارِ عالی مدار کی ہمنوائی کی اور عرض کیا: "کیا حضور موسیٰ اور اُس کی قوم کو یونہی چھوڑ دیں گے کہ وہ ملک میں فساد پھیلائیں" (اعراف: ۱۲۷) دوسرا الزام یہ دھرا کہ موسیٰ اقتدار کا بھوکا ہے اور اس کی ساری تگ و دو مسندِ حکومت پر قبضہ جمانے کے لیے ہے۔: فرعون اپنے گردوپیش کے سرداروں سے بولا: یہ شخص یقیناً ماہر جادوگر ہے، چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہارے ملک سے نکال دے" (الشعراء: ۳۴-۳۵) درباریوں نے بھی کہا: "(اے موسیٰ!) کیا تو اس لیے آیا ہے کہ ہمیں اُس طریقے سے پھیر دے جس پر ہم نے باپ دادا کو پایا ہے اور ملک میں اقتدار کی زمام تم دونوں (یعنی موسیٰ اور ہارون) کے ہاتھ آ جائے" (یونس: ۷۸)۔ بالآخر فرعون نے اپنے اعوان و انصار اور فوجوں کو جمع کیا تو اُن کو آگاہ کیا کہ موسیٰ اور اس کی قوم ایک ادنیٰ سی جماعت ہے، گنتی کے چند افراد اُس کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں، لیکن یہ لوگ امنِ عامہ میں خلل انداز ہو رہے ہیں، تشدد اور لاقانونیت

پر اُترے ہوئے ہیں، شہریوں کے پُرسکون چشمۂ حیات کو انہوں نے مکدّر کر رکھا ہے، اس لیے احتیاطی تدابیر اختیار کرنا ضروری ہے۔ قرآن کا بیان ہے: "فرعون نے (دولتِ فرعونیہ کے سرکردہ لوگ جمع کرنے کے لیے) شہروں میں نقیب بھیجے اور کہلا بھیجا کہ "یہ کچھ مٹھی بھر لوگ ہیں اور انہوں نے ہم کو بہت ناراض کیا ہے اور ہم ایک ایسی جماعت ہیں جس کا شیوہ ہر وقت چوکنا رہنا ہے" (الشعراء ۵۳-۵۶)۔ "چوکنا رہنا ہے" حاذرون کا ترجمہ ہے۔ سلف میں سے ایک گروہ نے اس کو حاذِرُون بھی پڑھا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ "ہم ہر وقت اسلحہ سے لیس رہتے ہیں"۔ اس لیے سرکار چاہتی ہے کہ موسیٰ کی بالکلیہ بیخ کنی کر دی جائے اور ان لوگوں کے تمام اڈے فنا کر دیئے جائیں۔" (ابن کثیر: ج ۳: ص ۳۳۵)۔

"ماہرینِ فنون" سے زک پہنچانے کی تدابیر | حضرت موسیٰ کی ہوا اکھاڑنے اور ان کے مشن کو مجروح کرنے کا حربہ استعمال کیا۔ چنانچہ اس غرض کے لیے فرعون نے اربابِ دانش اور ماہرینِ فنون کی خدمات حاصل کیں تاکہ وہ اپنے فن کے ذریعے موسیٰ کے موقف کو بے وزن اور بے بنیاد ثابت کریں۔ مصر میں اس وقت جس نوع کے فن کو عروج حاصل تھا اور لوگوں کے ذہنوں پر اُس کا سحر تھا وہ جادوگری کا فن تھا۔ فرعون نے ایک مقررہ دن کو بڑے بڑے سیانے جادوگروں کو جمع کیا اور انہیں اونچے مناصب، انعام و اکرام، اور تقربِ شاہی کا لالچ دیا۔ جادوگروں نے مجمع عام میں اپنے فن کا مظاہرہ کر کے موسیٰ علیہ السلام کو مرعوب کرنا چاہا۔ قرآن کے الفاظ میں: "انہوں نے جو اپنے انچھر پھینکے تو نگاہوں کو مسحور اور دلوں کو خوفزدہ کر دیا اور بڑا ہی زبردست جادو بنا لائے" (الاعراف: ۱۱۶) عام حاضرین کچھ دیر کے لیے ان کے جادو سے مبتلائے فتنہ ہو گئے حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی کچھ متاثر ہو گئے: "یکایک اُن کے سحر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یوں محسوس ہوا کہ ان کی رسیاں اور لاٹھیاں دوڑی چلی آ رہی ہیں، اس سے حضرت موسیٰ اپنے دل میں ڈر سے گئے" (طٰہٰ: ۶۶)۔

بہیمیت کی انتہا | مذکورہ بالا ہتھکنڈوں کے علاوہ، فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے مقابلے میں تشدد، سخت گیری، کشت و خون اور پھر اُس سفاکانہ حربہ کو استعمال کیا جسے وہ فتنہ

اقتدار میں بدمست ہو کر کہہ سکتا تھا۔ اُس نے بنی اسرائیل کے نومولود بیٹوں کے قتل کے احکام جاری کیے اور کہا: میں اُن کے بیٹوں کو قتل کراؤں گا اور اُن کی عورتوں کو جیتا رہنے دوں گا۔ ہمارے اقتدار کی گرفت اُن پر مضبوط ہے" (الاعراف: ۱۲۷)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُس نے خاص طور پر متنبہ کیا اور ان کو تختۂ دار پر کھنچوا دینے کی دھمکی دی: "اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو اپنا معبود بنایا تو میں تجھے سولی چڑھا دوں گا (الشعراء: ۲۹)

بعثت سے قبل حضرت مُوسیٰ کے جذبات یہ تھی وہ نازک اور نازیبا فضا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام آزادی کی جنگ لڑتے رہے اور اعلائے کلمۃ اللہ کا مشن انجام دیتے رہے۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعثت سے قبل ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے جبر و استبداد سے بیزار ہو چکے تھے۔ اور اپنی ستم رسیدہ اور گرفتارِ عذاب قوم کے حالات پر کڑھتے رہتے تھے۔ چنانچہ ان کی بیزاری اور قلبی اضطراب کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے اسرائیلی اور قبطی کی باہمی کشمکش میں اپنی فطری بصیرت و حکمت کے تقاضے کے بموجب اسرائیلی کی فریاد رسی کی اور قبطی کو ایک گھونسا رسید کیا جس سے وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ قرآن کریم وضاحت کرتا ہے کہ: "جب موسیٰ اپنی پوری جوانی کو پہنچ گیا اور اس کا نشوونما مکمل ہو گیا تو ہم نے اُسے حکم (حکمت و فراست) اور علم عطا کیا، ہم نیک لوگوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں (ایک روز) وہ شہر میں ایسے وقت داخل ہوا جب کہ اہلِ شہر غفلت میں تھے وہاں اُس نے دیکھا کہ دو آدمی لڑ رہے ہیں۔ ایک اس کی اپنی قوم کا تھا اور دوسرا اُس کی دُشمن قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کی قوم کے آدمی نے دشمن قوم والے کے خلاف اسے مدد کے لیے پکارا، مُوسیٰ نے اس کو ایک گھونسا مارا اور اس کا کام تمام کر دیا۔۔۔۔" (القصص: ۱۴-۱۵)۔ حضرت موسیٰ فوراً اپنی اس حرکت پر نادم ہوتے اور اللہ سے مغفرت طلب کی۔ چنانچہ اللہ نے اُن کی مغفرت فرما دی (اور اُن کا پردہ ڈھانک دیا)۔ دوسرے روز جب حضرت موسیٰ ڈرتے اور خطرہ بھانپتے ہوئے نکلے تو اُن کے پاس یہ اطلاع پہنچی کہ حکام اُن کے قتل کے مشورے کر رہے ہیں: "ایک آدمی شہر کے پرلے سرے سے دوڑتا ہوا آیا اور بولا "موسیٰ! سرداروں میں تیرے قتل کے مشورے

ہو رہے ہیں، یہاں سے نکل جا، میں تیرا خیر خواہ ہوں، یہ خبر سنتے ہی موسیٰ ڈرتا اور سہمتا نکل کھڑا ہوا اور اُس نے دُعا کی کہ " اے میرے رب، مجھے ظالموں سے بچا" (القصص: ۲۰-۲۱)۔

بعثت کے ساتھ ہی فرعون کا سامنا کرنے کا حکم اللہ نے حضرت موسیٰ کی دُعا قبول کی اور اُن کو ظالموں کی گرفت سے بچا لیا۔ حضرت موسیٰ مدین چلے گئے اور کچھ مدت وہاں رہنے کے بعد اپنے اہل و عیال کو لے کر نکل کھڑے ہوئے اور طور کی دائیں سمت پہنچ گئے۔ وہاں جب مبارک خطے میں داخل ہوئے تو ندا آئی کہ " اے موسیٰ، میں ہی اللہ ہوں، سارے جہان والوں کا مالک" (القصص: ۳۰) گویا اب اللہ کی طرف سے اُن کے کندھوں پر رسالت کے فرائض ڈال دیئے گئے اور حکم ہوا کہ فرعون اور اس کی قوم کے پاس جا اور انہیں صاف طور پر حق کی دعوت پیش کر۔ " اور جب تمہارے رب نے موسیٰ کو پکارا کہ " ظالم قوم کے پاس جا — قوم فرعون کے پاس — کیا وہ نہیں ڈرتے"؟ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے سابقہ تجربات اور چشم دید حالات کی بنا پر عرض کیا " اے میرے رب، مجھے خوف ہے کہ وہ مجھ کو جھٹلا دیں گے۔ میرا سینہ گھٹتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی۔ آپ ہارون کی طرف رسالت بھیجیں۔ اور مجھ پر اُن کے ہاں ایک جُرم کا الزام بھی ہے۔ اس لیے میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا " ہرگز نہیں، تم دونوں جاؤ ہماری نشانیاں لے کر، ہم تمہارے ساتھ سب کچھ سنتے رہیں گے، فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو، ہم رب العالمین کی طرف سے بھیجے گئے ہیں" (الشعراء: ۱۱-۱۶)

حضرت موسیٰ کے عذرات اور ان کا جواب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی۔ اور میدانِ جہاد کی جانب روانہ ہو گئے۔ انہیں اپنے مشن کے تمام خط و خال اور پیش آمدہ مشکلات کا بخوبی اندازہ تھا۔ اسی بنا پر انہوں نے روانگی سے قبل بارگاہِ الٰہی میں تین عذر پیش کیے۔ ایک یہ کہ قوم فرعون حد درجہ ظالم و سفاک ہے اور مصر پر اُس نے کڑا نظام جبر و استبداد مسلط کر رکھا ہے۔ ایسی ظالم قوم کے سامنے دعوتِ حق کو پیش کرنے کا انجام بجز تکذیب و تحقیر کچھ نہ ہوگا۔ دوسرے یہ کہ مجھ پر ایک مصری کے قتل کا الزام ہے، اس لیے مجھے اندیشہ ہے کہ یہ قوم مجھ سے

قتل کا انتقام لیے بغیر نہ رہے گی۔ اور تیسرے یہ کہ میرے سینے میں وہ زور اور زبان میں وہ فصاحت نہیں جو دعوت کو مؤثر طور پر پیش کرنے کے لیے ناگزیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے ان تینوں اندیشوں میں سے تیسرے اندیشہ کے جواب میں حضرت ہارونؑ کو آپؑ کے ساتھ رسول بنا کر بھیج دیا۔ حضرت ہارون زبان اور دلیل و حجت کے دھنی تھے۔ مگر پہلے دونوں خدشوں کو ناقابل لحاظ ٹھہراتے ہوئے فرمایا "تم دونوں جاؤ ہماری نشانیاں لے کر، ہم تمہارے ساتھ سب کچھ سنتے رہیں گے" ۔۔۔ چنانچہ موسیٰ اور ہارون کے درمیان یہی کامل اتحاد اور جبر کسر کا تعلق تھا جو فرعون و کلیم کی کشمکش میں کامیاب کردار کی صورت میں اُبھرا۔ "اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" کے الفاظ اسی کامل اتحاد کو خوشنما پیرائے میں ظاہر کر رہے ہیں۔ ان میں دعوتِ حق کے علمبرداروں کو کامیابی کا نہایت اہم گُر بتا دیا گیا ہے۔

داعیٔ حق دربارِ فرعون میں | حضرت موسیٰ دربارِ فرعون میں پہنچے، فرعون کو دعوتِ حق پیش کی، اور بنی اسرائیل کی آقائی سے دست بردار ہو جانے کا مطالبہ کیا: "موسیٰ نے کہا، اے فرعون! میں کائنات کے مالک کی طرف سے بھیجا ہوا آیا ہوں، میرا منصب یہی ہے کہ اللہ کا نام لے کر کوئی بات حق کے سوا نہ کہوں، میں تم لوگوں کے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیلِ صریح لے کر آیا ہوں، لہٰذا تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے (اعراف: ۱۰۴-۱۰۵)" لیکن فرعون نے استکبار کی روش اختیار کی۔ دعوتِ حق کو ٹھکرا دیا اور جادوگروں کو جمع کیا اور اُن کے ساحرانہ کمالات کا سہارا لیتے ہوئے حضرت موسیٰ کی دعوت کو اور آپ کے معجزات کو چیلنج کیا۔ مگر حضرت موسیٰ نے بر خود غلط فرمانروا کی ستمرانیوں اور مذموم چالوں کا نہایت پامردی اور جرأتِ ایمانی سے مقابلہ کیا، آپؑ اگرچہ جادوگروں کے جادو سے تھوڑی دیر کے لیے دل میں مرعوب ہوئے مگر فوراً سنبھلے اور جرأت کے ساتھ فرمایا (اے جادوگرو!) یہ جو کچھ تم نے پھینکا ہے، یہ جادو ہے، اللہ ابھی اسے باطل کیے دیتا ہے۔ مفسدوں کے کام کو اللہ سدھرنے نہیں دیتا اور اللہ اپنے فرمانوں سے حق کو حق کر دکھاتا ہے، خواہ مجرموں

کو وہ کیسا ہی ناگوار ہو" (یونس : ۸۱-۸۲) یہ کہا اور اپنا عصا زمین پر پھینک دیا۔ اس کا پھینکنا تھا کہ آن کی آن میں وہ اُن کے جھوٹے طلسم کو نگلتا چلا گیا۔ اس طرح جو حق تھا وہ حق ثابت ہوا اور جو کچھ انہوں نے بنا رکھا تھا وہ باطل ہو کر رہ گیا۔ فرعون اور اس کے ساتھی میدانِ مقابلہ میں مغلوب ہوئے اور اُلٹے ذلیل ہوئے اور جادوگروں کا یہ حال ہوا کہ گویا کسی چیز نے اندر سے انہیں سجدے میں گرا دیا۔ کہنے لگے: "ہم نے مان لیا رب العالمین کو، اُس رب کو جسے موسیٰ اور ہارون مانتے ہیں" (اعراف : ۱۱۷-۱۲۲)۔ فرعون یہ دیکھ کر غیظ و غضب میں ڈوب گیا اور اپنے وقار و آبرو کو بچانے کے خیال سے ذلیل ترین ہتھکنڈوں پر اُتر آیا۔ یہاں تک کہ موسیٰ اور پیروانِ موسیٰ کے قتل کے درپے ہو گیا۔

کامیابی کی حقیقت اور اس کے اصول | الغرض بنی اسرائیل پر فرعونی جبر و تشدد کے مہیب سائے چھا گئے۔ بالآخر قوم بلبلا اٹھی اور اس کے صبر کا پیالہ چھلک گیا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر نے بے تابی دکھانے کے بجائے مزید صبر و برداشت کی تلقین کی۔ فرمایا: اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، زمین اللہ کی ہے۔ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اُس کا وارث بنا دیتا ہے اور آخری کامیابی انہی کے لیے ہے جو اس سے ڈرتے ہوئے کام کریں"۔ لیکن قوم کے اندر عذاب و استبداد کے بے نہایت تازیانوں کی تاب باقی نہ رہی اور وہ بے ساختہ پکار اٹھی: "(اے موسیٰ) تیرے آنے سے پہلے بھی ہم ستائے جاتے تھے اور اب تیرے آنے پر بھی ستائے جا رہے ہیں" حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کی اٹل سنت پر اپنے کامل اعتماد کا اعلان کیا اور قوم کو آگاہ کیا کہ "امید ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تم کو زمین میں خلیفہ بنائے پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو" (اعراف : ۱۲۸-۱۲۹)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ جواب نہایت گہرے تدبّر و مطالعہ کا متقاضی ہے۔ اس میں وہ ایسی بڑی حقیقتیں بیان کر دی گئی ہیں جو دعوتِ حق کی حقیقت و مزاج کے لیے امتیازی علامت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ پہلی حقیقت حضرت موسیٰ کے ان الفاظ سے مترشح ہوتی ہے کہ "امید ہے

تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے"۔ یہ مختصر سا جملہ کئی پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اولاً یہ کہ داعی کو سراسر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا چاہیے اور کسی فوری نصرت پر نگاہ جمائے بغیر یکسوئی کے ساتھ راہِ حق پر گامزن رہنا چاہیے۔ ثانیاً یہ کہ دشمن کو ہلاک کرنا اللہ کا کام ہے۔ وہ اسے جلدی سرانجام دے یا بدیر یہ اُس کی حکمت و مصلحت پر مبنی ہے۔ اگر دشمن کی مہلت طویل ہو گئی ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی مصلحت پنہاں ہو گی اور جو جتنی طویل مہلت پاتا ہے وہ اتنی ہی زیادہ چوٹ کھاتا ہے۔ ثالثاً یہ کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر جو معرکہ بھی گرم کیا جائے اُس میں دشمن پر فتح کا حاصل ہونا عین مرضیٔ الٰہی پر موقوف ہے۔ بظاہر شکست خوردہ ہو کر مایوس ہو جانا گویا مرضیٔ الٰہی پر عدمِ اعتماد کا اعلان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وما النصر الا من عند اللہ نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قول سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ باطل خواہ کتنا ہی منہ زور ہو زود یا بدیر کامیابی اور برتری حق ہی کے پاؤں چومتی ہے۔ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کے پاس بھیجا تھا تو اس اصول سے باخبر کر دیا تھا اور فرمایا تھا: "غلبہ تمہارا اور تمہارے پیروؤں کا ہی ہو گا" (القصص: ۳۵)، مگر بایں ہمہ حضرت موسیٰ کا اپنی مظلوم و مقہور قوم کو قطعیت کے بجائے رجاء کے انداز میں یہ فرمانا کہ "امید ہے تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے" دراصل تفویضِ مطلق اور توکلِ خالص کا اظہار ہے اور اس سے اصل مقصد قوم کو رجوع الی اللہ کا مسلک اختیار کرنے کی تلقین ہے لیکن یہ تفویضِ مطلق اور توکلِ خالص کا اعلان اس مرحلہ پر آ کر کیا گیا ہے جبکہ حضرت موسیٰ اللہ کے راستہ میں اپنی ہر چیز قربان کر چکے تھے اور سعی و جہد کی آخری رمق بھی پیش کر چکے تھے اور اربابِ اقتدار کے سامنے ہر ممکن ذریعہ سے دعوتِ حق کو واضح کر چکے تھے۔

حضرت موسیٰ کا یہ حقیقت آمیز ارشاد دعوتِ اسلامی کے علمبرداروں کو ایک عام فکری لغزش سے اجتناب کی نصیحت کرتا ہے۔ نصرتِ الٰہی کے معاملے میں جلدی مچانا، دعوت کو بے ثمر دیکھ کر بیزار ہو جانا اور یاس کا شکار ہو جانا اسی فکری لغزش کے مظاہر ہیں۔ دعوت کو فروغ حاصل ہو یا ابتلاء اور آسمانی مدد کی کوئی علامت اُفقِ دعوت پر نمودار ہو یا نہ ہو، دونوں حالتوں میں داعی کو باوقار اور پُر امید رہنا چاہیے۔ کامیابی دیکھ کر اترانا درست نہیں ہے اور شکست ہو تو

اضطراب صحیح نہیں ہے

فتح و شکست نصیبوں پہ ہے وہ لے آمیر
مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

دوسری اہم حقیقت جو حضرت موسیٰ کے جواب سے اُجاگر ہوتی ہے وہ آپ کا یہ ارشاد ہے کہ" اور امید ہے کہ اللہ تم کو زمین میں خلیفہ بنائے پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو"۔ آپؑ نے کامیابی اور غلبہ کو خلافتِ الٰہی سے تعبیر کیا ہے۔ اس سے اوّلاً تو پہلی حقیقت کی مزید تائید ہوتی ہے کہ خلافت عطا کرنا اور ضعیفوں کو قوت دینا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور ثانیاً یہ معلوم ہوا کہ غلبہ محض کا حصول نصرتِ الٰہی نہیں ہے۔ بلکہ درحقیقت نصرتِ الٰہی یہ ہے کہ کامیاب ہونے والا گروہ منصبِ خلافت پائے۔ اس بیان سے یہ عقدہ بھی حل ہوا کہ استخلاف فی الارض نعمتِ مطلق اور عطیۂ الٰہی نہیں ہے بلکہ اللہ نے اسے انسانوں کے اعمال پر کھنے کا ایک ذریعہ بنایا ہے اور اعلان فرمایا ہے کہ وہ اس منصب پر فروکش ہونے والوں کی تمام کارگزاریوں پر نظر رکھے گا اور پھر ان کارگزاریوں کے بموجب اپنی نصرت کو برقرار رکھنے یا منقطع کر دینے کا فیصلہ کرے گا۔ پس نصرتِ الٰہی ہمیشہ حسنِ عمل کے بمقدار نازل ہوتی رہے گی جو کامیاب ہونے والا گروہ حصولِ کامیابی کے بعد خداوند جلّ و علا کے حضور پیش کرے گا۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ نصرتِ الٰہی کا دارومدار دو چیزوں پر ہے ایک حسنِ نیت اور دوسرے حسنِ عمل۔ چنانچہ ہر وہ غلبہ جو عزم صالح اور ارادۂ نیک پر مبنی نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اعمال کے ساتھ مربوط نہیں ہے میزانِ خداوندی میں سراسر بے قیمت ہے اور نصرتِ الٰہی کے عنوان سے قطعاً محروم ہے۔ اہلِ ایمان کو ایسے بے بنیاد غلبہ اور جھوٹے وقار کو درخورِ اعتنا نہ سمجھنا چاہیے کیونکہ بسا اوقات ایسے لوگوں کو بھی بظاہر غلبہ حاصل ہو جاتا ہے جو درحقیقت اللہ کے نزدیک ملعون اور مغضوب ہوتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کو مہلت کے طور پر غلبہ نصیب ہو جاتا ہے تاکہ وہ ظلم و استبداد کی جس انتہا تک پہنچنا چاہیں

پہنچ جائیں اور پھر غضبِ الٰہی کے زیادہ سے زیادہ مستحق ثابت ہو جائیں۔ بہ شکل ایسے لوگوں کو ایک بڑی شکست اور ایک رسوا ترین عاقبت سے دوچار کرنے کے لیے استدراج کے طور پر اختیار کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی عظیم حقیقت کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"اور جب انہوں نے اس نصیحت کو، جو انہیں کی گئی تھی، بھلا دیا تو ہم نے ہر طرح کی خوشحالیوں کے دروازے ان کے لیے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ ان بخششوں میں جو انہیں عطا کی گئی تھیں خوب مگن ہو گئے تو اچانک ہم نے انہیں پکڑ لیا اور وہ یکایک ہک دھک رہ گئے۔ اس طرح ان لوگوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دی گئی جنہوں نے ظلم کیا تھا اور سب تعریف اللہ رب العلمین ہی کے لیے ہے" (اعراف: ۴۴-۴۵)

مصلحت کا انجام | فرعون کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہی معاملہ کیا۔ حق اگرچہ حضرت موسیٰ کے ساتھ تھا، اور حضرت موسیٰ کے برحق ہونے کی واضح دلیل خود جادوگروں کے کھلم کھلا ایمان لے آنے میں موجود تھی مگر اس کے باوجود فرعون نے کچھ عرصہ تک مصر میں تشدد و سفاکیت کی فضا پیدا کیے رکھی، برابر ظلم و ستم کا ارتکاب کرتا رہا۔ بنی اسرائیل کا خون پانی کی طرح بہاتا رہا۔ باشندگانِ ملک دم بخود تھے، کسی ایک کو بھی حق بات کہنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ مصلحت شناس لوگ بھی اپنے زاویوں سے نکل کر تقربِ شاہی کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگے۔ اور اس طرح فرعون کے نظامِ جبر کو مزید ممتد کرنے کا موجب ہوئے۔ اس مصلحت شناس گروہ میں سے وہ لوگ بھی تھے جو خود حضرت موسیٰ کی قوم میں سے تھے۔ مگر اپنے مصالح کی بنا پر حضرت موسیٰ کو چھوڑ چکے تھے۔ ایسے لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ نے ایک شخصیت کا قرآن میں ذکر کیا ہے۔ اور وہ قارون کی شخصیت ہے: "قارون موسیٰ کی قوم کا ایک شخص تھا، پھر وہ اپنی قوم کے خلاف سرکش ہو گیا اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دے رکھے تھے کہ ان کی کنجیاں طاقت ور آدمیوں کی ایک جماعت مشکل سے اٹھا سکتی تھی، ایک دفعہ اس کی قوم کے لوگوں نے اس سے کہا: "پھول نہ جا، اللہ پھولنے والوں کو پسند نہیں کرتا، جو مال اللہ نے تجھے دیا ہے اس سے

آخرت کا گھر بنانے کی فکر کر اور دنیا میں سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کر۔ احسان کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش نہ کر، اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا" (القصص: ۷۶-۷۷)

سب سے تعجب انگیز بات یہ ہے کہ یہ قارون جسے مال و دولت کی فراوانی اور جاہ و منزلت کی محبت نے جادۂ مستقیم سے منحرف کر دیا تھا، حضرت موسیٰ کا رشتہ دار تھا۔ بلکہ بتایا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ کا چچازاد بھائی تھا۔ اس کا نام "منوّر" تھا۔ تورات کو بڑی خوش الحانی کے ساتھ پڑھتا تھا (ابن کثیر) لیکن جب وہ جادۂ حق سے منحرف ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے اُسے نہ مال و دولت بچا سکا، نہ نبی کی قرابت داری کام آئی اور نہ تورات کا خوش الحانی سے پڑھنا سود مند ثابت ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی شدید ترین لعنت نے اُسے آ دبوچا "ہم نے اُسے اور اُس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا، پھر کوئی اُس کے حامیوں کا گروہ نہ تھا جو اللہ کے مقابلہ میں اُس کی مدد کو آتا اور نہ وہ خود اپنی مدد آپ کر سکا" (القصص: ۸۱)

ضعفاء کے حیلے لوگوں پر فرعون کا تشدد اپنی انتہا کو پہنچ گیا، ہر طرف خوف و ہراس کے بادل چھا گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کو روپوش ہو جانے اور پناہ گاہوں کا رُخ کرنے کا مشورہ دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کو اشارہ کیا کہ مصر میں اپنی قوم کو لیکر گھروں میں پناہ گزین ہو جاؤ اور اپنے مکانوں کو قبلہ قرار دے لو اور نماز قائم کرو اور اہلِ ایمان کو بشارت دے دو" (یونس: ۸۷)

حضرت موسیٰ کی دُعا بنی اسرائیل کے مصائب و آلام روز بروز بڑھتے گئے۔ بالآخر حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے دُعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا: "اے ہمارے پروردگار! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں زینت اور اموال سے نواز رکھا ہے۔ اے رب کیا یہ اس لیے ہے کہ وہ لوگوں کو تیری راہ سے بھٹکائیں؟ اے رب! ان کے مال غارت کر دے اور ان کے دلوں پر ایسی مہر کر دے کہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: تم دونوں کی دعا قبول کی گئی۔ ثابت قدم رہو اور ان لوگوں کے طریقے کی ہرگز پیروی نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔" (یونس: ۸۸-۸۹)

لیکن اس دعائے مستجاب کے آثار ایک مدت کے بعد ہویدا ہوئے۔ جسے بعض مفسرین نے چالیس روز بتایا ہے اور بعض نے چالیس سال۔ بہر حال جب قرآن نے خود اس مدت کا تعین نہیں کیا، ہمیں اس کے تعین کی چنداں ضرورت نہیں۔ ہمارے لیے یہاں صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ حالات کی کشادگی اور مصائب کے چھٹنے میں تاخیر کا واقع ہو جانا دعا کی عدمِ قبولیت کی علامت نہیں ہے۔ قبولیتِ دعا کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے حالات و معاملات اسی طرح تبدیل کر دے جس طرح وہ چاہتے ہیں دعا مانگنے والا انسان خواہ اللہ تعالیٰ کی محبوب ترین مخلوق میں سے ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنی سنت و مصلحت کے مطابق ہی حالات کو گردش دیتی ہے۔ وہ ذات اپنے بندوں پر رحیم و شفیق ہے۔ اور ان کے حقیقی مصالح سے بخوبی واقف ہے۔

نظامِ آمریت کی نفسیاتی کیفیات

قبولیتِ دعا کا آغاز اس طرح سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم کو مصر سے ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ یہ لوگ مصر سے نکل پڑے۔ فرعون غضبناک ہو گیا۔ اُسے یہ ناگوار گزرا کہ حضرت موسیٰ اور ان کے پیرو فرعونی نظام کے آگے سرِ اطاعت خم کر دینے کے بجائے ملک سے خروج کر رہے ہیں۔ اُس کا یہ غصہ دو باتوں سے مرکب تھا۔ ایک یہ کہ بنی اسرائیل کی ہجرت سے باقیماندہ باشندگانِ ملک کے اندر بھی استبداد کے خلاف بغاوت کا جذبہ اُبھر آئے گا۔ اور فرعونی اقتدار کی چولیں ڈھیلی پڑ جائیں گی اور ثانیاً یہ کہ ہو سکتا ہے کہ بنی اسرائیل ساز و سامان سے لیس ہو کر باہر سے سلطنتِ فرعون پر حملہ کر دیں۔ بہر حال ڈکٹیٹر ہمیشہ طرح طرح کے اندیشوں کے اندر گھرا رہتا ہے، اور اپنے ظلم و ستم کی بنا پر اُسے ہر وقت یہ خدشہ لاحق رہتا ہے کہ کوئی ہاتھ اُسے ناگہانی طور پر کیفرِ کردار تک نہ پہنچا دے۔ فرعون کی بوکھلاہٹ بھی اسی غضبانی کیفیت کا مظہر تھی۔

فرعون کا عبرتناک انجام | بنی اسرائیل کی ہجرت کی خبر سُن کر فرعون نے فوراً اپنی فوجوں کو اکٹھا کیا اور اسلحہ سے لدا ہوا لشکر لے کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکل پڑا۔ اس لشکر کے پیش روؤں میں خود فرعون اور اُس کے درباری اور حاشیہ نشین تھے۔ طلوعِ صبح کے وقت یہ ساحلِ سمندر کے قریب حضرت موسیٰ کے ساتھیوں تک پہنچ گئے۔ حضرت موسیٰ کے ساتھیوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک لشکرِ عظیم چمکتی ہوئی تلواروں کے ساتھ نظر آیا اور جب اپنے آگے نگاہ دوڑائی تو تلاطم خیز سمندر نظر آیا۔ انہیں اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا۔ اور وہ اضطرابِ شدید میں مبتلا ہو گئے۔ مگر حضرت موسیٰ یقین و اذعان کے پُرکیف لمحوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اور انہیں ذاتِ الٰہی کے ماسوا کسی چیز کا احساس تک نہیں تھا۔ اس نازک گھڑی کی منظر کشی کرتے ہوئے قرآن نے بتایا ہے کہ: "صبح ہوتے ہی یہ لوگ (یعنی فرعون اور اس کی افواجِ قاہرہ) ان کے تعاقب میں چل پڑے۔ جب دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا تو موسیٰ کے ساتھی چیخ اُٹھے کہ "ہم تو پکڑے گئے"۔ موسیٰ نے کہا "ہرگز نہیں۔ میرے ساتھ میرا رب ہے۔ وہ ضرور میری رہنمائی کرے گا"۔ ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ "مارا اپنا عصا سمندر پر" یکایک سمندر پھٹ گیا اور اس کا ہر ٹکڑا ایک عظیم الشان پہاڑ کی طرح ہو گیا"۔ (الشعراء: ۶۰-۶۱) جب انسانی وسائل جواب دے گئے اور بشری تدبیریں ناکامی کی نذر ہو گئیں تو ایک معجزہ نمودار ہوا اور عین عالمِ یاس میں رحمتِ خداوندی نے دستگیری کی۔ حضرتِ موسیٰ اور اُن کے ساتھی سمندر میں داخل ہو گئے۔ لشکرِ فرعون نے ساحلِ سمندر تک آ کر واپس چلا جانا اپنی شانِ بلند کے منافی سمجھا اور وہ بھی سمندر میں داخل ہو گیا۔ ایک صریح معجزہ دیکھ کر بھی ان لوگوں کی آنکھیں نہ کھلیں اور بالآخر ہٹ دھرمی، کوتاہی اور جھوٹے غرور نے اُن کو پنجۂ ہلاکت کے حوالے کر دیا: "اسی جگہ (سمندر کے بیچ) ہم دوسرے گروہ کو بھی قریب لے آئے۔ موسیٰ اور ان سب لوگوں کو جو اُن کے ساتھ تھے، ہم نے بچا لیا اور دوسروں کو غرق کر دیا۔ اس واقعہ میں ایک نشانی ہے، مگر ان لوگوں میں سے اکثر ماننے والے نہیں ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبردست بھی ہے اور رحیم بھی ہے"۔ (الشعراء: ۶۴-۶۸)

درسِ عبرت ہلاکتِ فرعون کا آخری منظر اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر قصۂ فرعون میں ذکر کیا ہے۔ جس سے مقصود یہ ہے کہ قیامت تک آنے والے سرکش اور جابر حکمرانوں کو اپنا انجام معلوم ہوتا رہے۔ اور دوسرا درس یہ دیا کہ ظالم و جابر فرمانرواؤں کا دماغ اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا اور وہ اس وقت تک راہِ حق اختیار نہیں کر سکتے جب تک کوئی بلائے عظیم اُن کا گلا نہیں دبوچ لیتی اور حالات اُن کے اختیار سے باہر نہیں ہو جاتے۔ . . . . "اور ہم بنی اسرائیل کو سمندر سے گزار لے گئے۔ پھر فرعون اور اس کے لشکر ظلم اور زیادتی کی غرض سے ان کے پیچھے چلے — حتیٰ کہ جب فرعون ڈوبنے لگا تو بول اٹھا" میں نے مان لیا کہ خداوندِ حقیقی اُس کے سوا کوئی نہیں ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں بھی سرِ اطاعت جھکا دینے والوں میں سے ہوں" (جواب دیا گیا) "اب ایمان لاتا ہے! حالانکہ اس سے پہلے تک تو نافرمانی کرتا رہا اور فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا۔ اب تو ہم صرف تیری لاش ہی کو بچائیں گے تاکہ تو بعد کی نسلوں کے لیے نشانِ عبرت رہے۔ اگرچہ بہت سے انسان ایسے ہیں جو ہماری نشانیوں سے غفلت برتتے ہیں" (یونس: ۹۰ - ۹۲)

بنی اسرائیل کا یومِ آزادی بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے یہود کو محرم کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھتے دیکھا۔ آپ نے یہود سے دریافت فرمایا: "یہ کیسا دن ہے جس میں تم روزہ رکھتے ہو؟" یہود نے کہا: "اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر غلبہ حاصل ہوا تھا" چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا: "تم حضرت موسیٰ کے ساتھ یہود سے زیادہ تعلق رکھنے کے حقدار ہو، لہٰذا تم بھی اس دن روزہ رکھا کرو۔"

بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور آپ کے پیرو کار اس امر کے زیادہ حقدار ہیں کہ وہ اس دن کو ایک یادگار کے طور پر خوش آمدید کہیں جس دن کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون لعین پر فتح سے سرفراز فرمایا تھا۔ پس ہر دور میں اسلامی دعوت کے

علمبرداروں کو، خواہ وہ مشرق میں ہوں یا مغرب میں، فرعون و کلیم کی داستانِ کشمکش کا گہرا مطالعہ کرنا چاہیے اور جب کبھی انہیں کسی ظالم کے ظلم اور کسی آمر کی آمریت کے تند و تیز حملے اپنی لپیٹ میں لیں انہیں بنی اسرائیل کی اس کٹھن آزمائش کو یاد کر لینا چاہیے، جس کا ذکر قرآن نے ان الفاظ میں کیا ہے: "فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ان میں سے ایک گروہ کو وہ ذلیل کرتا تھا، اس کے لڑکوں کو قتل کرتا اور اس کی لڑکیوں کو جیتا رہنے دیتا تھا، وہ مفسد لوگوں میں سے تھا" (القصص: ۵)

لیکن اس کے ساتھ انہیں اللہ تعالیٰ کا یہ امید افزا اور یقین افروز پیغام بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بالآخر ضعفاء کو اپنی نصرت سے سرفراز کرتا ہے اور نظامِ جبر کو ایک مدت معین تک ڈھیل دینے کے بعد ضعفاء کے ہاتھوں کیفرِ کردار تک پہنچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے حق میں یہی فرمایا تھا: "ہم نے ارادہ کر لیا کہ مہربانی کریں ان لوگوں پر جو زمین میں ذلیل کر کے رکھے گئے تھے اور انہیں پیشوا بنا دیں اور انہی کو وارث بنائیں، اور زمین میں ان کو اقتدار بخشیں اور ان سے فرعون و ہامان کے لشکروں کو وہی کچھ دکھلا دیں جس کا انہیں ڈر تھا" (القصص ۶)
یہ "مہربانی" غیر مشروط طور پر حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کی اولین شرط خود اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کی ہے کہ "وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (غلبہ تمہیں ہی حاصل ہوگا بشرطیکہ تم مومن کامل بن کر رہے)۔

یوم عاشوراء کے روزے کے سلسلے میں مزید گزارش یہ ہے کہ جو لوگ یہ روزہ رکھنا چاہیں وہ دسویں تاریخ کے ساتھ نویں تاریخ کا بھی اضافہ کریں۔ اور ایک کے بجائے دو روزے رکھیں مسلم میں مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا تھا کہ میں اگر آئندہ سال زندہ رہا تو نویں تاریخ کا بھی روزہ رکھوں گا آپؐ کا منشا یہ تھا کہ اس طرح یہود و نصاریٰ کی مکمل مشابہت سے احتراز کی صورت پیدا کر لی جائے۔

[یہ مضمون "المسلمون" شام سے ماخوذ ہے ہم نے حسبِ ضرورت اس میں کہیں کہیں ترمیم و اضافہ سے کام لیا ہے۔ خ۔ح]